تطبیقات علم اصول الفقہ اور سیرت النبی ﷺ

Application of Principles of Islamic Jurisprudence and Seerat-e-Nabawi (PBUH) (A Researched Study)

محمد نذیر*

ڈاکٹر شبیر حسین**

ABSTRACT:

Human life is a combination of two things i.e. body and soul. In this modern era the major concern of a man is working hard for physical comfort and prosperity. Despite this, the social life has failed to seek such comfort and prosperity because its spiritual needs are not being fulfilled thoroughly. For that purpose Islam has provided guidance in the form of way of living of Holy Prophet (PBUH). An important aspect of seretah al-Tayyiba is to extract the solution of modern problems in the light of principles of Islamic Jurisprudence. Through his own life and by educating his companions. He (PBUH) taught people how to solve their contemporary matters if they don't find the solution in Quran and Sunnah. In this way the life of Holy Prophet (PBUH) is a practical training in addition to being the final authority for all humanity, through which both this world and the Hereafter can be achieved. Especially, the modern issues like cloning, human organs transplantation etc. can be resolved through principals of Islamic jurisprudence. In this regard, the thorough research study of principals of Islamic jurisprudence is compulsory for the training and guidance of human beings. In Islamic studies the early scholars of Sunni school of thought have done a great deal of work but the modern scholars have made less progress. On the contrary, the ancient scholars of Shia school of thought worked very less on this subject while their modern scholars are working a lot on principles Islamic jurispru-dence. Therefore regarding modern issues we also can get benefit from their efforts.

Key Words: Jurisprudence, Guidance, Principles, Modern Issues

جب انسان اللہ کی ذات پر ایمان لے آئے اور کسی شریعت کے تابع ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ وہ اللہ کا بندہ ہے اور اس کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی میں اپنی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی حرکات اور اعمال کا جواب دینا ہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی احکام خداوندی کے مطابق گزارے۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کچھ اور کہہ رہی ہو اور انسان کا عملاً کردار اور زندگی کا طریقہ کچھ اور

*Ph.D Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad.
Email: nazir.raes@gmail.com

**Assistant Professor, Deptt: of Islamic studies, Mohi-ud-Din Islamic University, A.J Kashmir

ہو۔ بلکہ ضروری ہے کہ انسان کا عملی طریقہ کار اس شریعت کے مطابق ہو جس پر وہ ایمان رکھتا ہے اور جس کی وہ پیروی کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب صحابہ کرام کو کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ حل کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جدید مسائل کا حل امت میں سے اہل علم لوگوں کی ذمہ داری بنی۔ چونکہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور تک آپ ﷺ کی سنت اور احادیث مبارکہ بیان کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی اور زمانہ بھی اتنا زیادہ نہ گزرا تھا اور نئے مسائل اور چیلنجز بھی اتنے زیادہ نہیں تھے۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ فتنہ وضع حدیث، فقہاء کی اجتہادی آراء اور متکلمین کی فلسفہ زدہ نظریات نے احام شریعت کو کسی قدر مشکل بنادیا۔ اس لیے یہ ایک ضروری امر ہے کہ انسان اپنے عملی موقف کا تعّین کرے اور یہ جان لے کہ اس نے زندگی کے مختلف حالات وواقعات میں کس طرح عمل کرنا ہے۔ اب اگر احکام شریعت واضح ہوتے تو ہر ایک کے لیے اپنا عملی موقف (زندگی گزارنے کا طریقہ) معین کرنا بہت آسان ہو جاتا اور اس قدر وسیع وعمیق علمی ابحاث کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ مگر احکام شریعت اس قدر واضح اور بدیہی نہیں ہیں کہ ہر انسان آسانی سے ان کو جان کر ان کے مطابق زندگی گزار سکے۔ احکام شریعہ کے غیر واضح ہونے کا سبب عصر تشریع سے اب تک ایک طویل زمانی فاصلہ ہے۔ اس زمانی فاصلے کی وجہ سے اکثر احکام شرعی غیر واضح ہو گئے اور ہر انسان کے لیے ان کا جاننا ممکن نہیں رہا اب اس حالت میں کیا کیا جائے؟ کیا کوئی طریقہ ہے جس کو اپناتے ہوتے ہم ان احکام شریعت سے واقفیت حاصل کر سکیں کہ جن سے ہمیں روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے اور ہمارے پاس ان احکام شریعت کے وجود پر دلیل بھی ہو۔ یہ راستہ صرف علم اصول فقہ ہی ہے جو نسبتاً مشکل ہے۔

علم اصول فقہ:

اصول الفقہ سے مراد اسلامی شریعت کے وہ بنیادی اصول اور فقہ اسلامی کے وہ قانونی قواعد وضوابط ہیں جن سے کام لے کر ایک ماہر فقیہ اور قانون دان شریعت کے مصادر وماخذ سے تفصیلی احکام استنباط کرتا ہے۔ جیسا کہ ہر مسلمان جانتا ہے شریعت کے مصادر وماخذ میں اصل اور بنیادی مآخذ دو ہی ہیں: اول قرآن اور دوسرا سنت رسول ﷺ۔ انہیں دونوں ماخذ کی بنیاد پر یا انہیں ماخذ کے سند کی بنا پر دوسرے قواعد اجتہادی اور قواعد فقاہتی اجماع، عقل اور قیاس وغیرہ سے استنباط کے راہ میں مدد لی جاتی ہے البتہ ان مصادر وماخذ سے تفصیلی احکام کا اخذ کرنا اور ان کو مرتب کرنا نہ صرف گہری قانونی بصیرت اور عمیق فقہی نظر کا متقاضی ہے بلکہ اس عمل کو انجام دینے کے لئے کچھ طے شدہ امور، مرتب اصول اور منضبط قواعد واحکام بھی ہیں جن کو اس پورے عمل میں سامنے رکھنا پڑتا ہے انہی قواعد و اصول کے مجموعہ کا نام اصول فقہ ہے۔ اس علم کی ضرورت واہمیت کی پیش نظر علماء نے مختلف الفاظ میں اس کی تعریف اور اہمیت کو بیان کیا ہے جیسے کہ علامہ ابن خلدون نے علم اصول فقہ کو علوم شرعیہ میں سب سے اعلی، سب سے برتر اور سب سے مفید قرار دیا ہے۔ اور دوسرے علماء نے اس علم کو اسلامی علوم کا ملکہ، فکر اسلامی میں جدت، فلسفہ قانون اسلامی، منہاجاتِ قانون، اور علم تقنین جیسے اصطلاحات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ دنیائے قانون کی عالمی تاریخ میں اپنی نوعیت

کی سب سے پہلی کاوش ہے اسلام سے پہلے کی تہذیبوں میں قانون کے جزوی احکام کے مجموعوں اور فروعی تفصیلات کے نمونے تو بہت ملتے ہیں لیکن اصول قانون یا فلسفہ قانون کا ایک الگ فن کے طور پر کوئی نہیں ملتا۔ بلاشبہ افلاطون کے مکالمات بالخصوص ''جمہوریہ'' میں اور ارسطو کی تصانیف بالخصوص ''سیاسیات'' اور ''قوانین'' میں قانون کی سند اور اتھارٹی کے بارہ میں بعض دقیق خیالات ملتے ہیں۔ البتہ یہ علوم فلسفہ، سیاسیات اور اخلاقیات کی ماتحت مذکور ملتے ہیں اور اسلامی علوم کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ علم اصول فقہ کے موجد ہونے کے علاوہ اس علم کو اپنے اوج کمال تک پہچانے والا بھی ہے۔

اصول فقہ کی تعریف:

لغوی اعتبار سے اصول کا لفظ جمع ہے اور اس کا مفرد اصل ہے جس کے لغوی معنی ''جڑ'' یا'' بنیاد'' کے ہیں[1] مثلاً درخت کی جڑ یا عمارت کی بنیاد کو اصل کہا جاتا ہے اور فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کی'' گہرائی'' یا'' عمق''[2] میں جانے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ علم فقہ کو اگر ایک عمارت سے تشبیہ دی جائے تو علم اصول اس عمارت کی بنیاد قرار پائے گا۔ اسی لئے اصول سے مراد وہ امور بھی ہوتے ہیں جن پر کسی دوسری چیز کے صحیح یا غلط یا قابل قبول ہونے یا نا قابل قبول ہونے کا دار مدار ہو۔ اس مفہوم کے رو سے اصول فقہ سے مراد وہ امور ہوں گے جن پر فقہ اور اس کے احکام کا دار و مدار ہو، جن کی مدد سے فقہی مسائل کے صحیح یا غلط ہونے اور فقہی آراء واجتہادات کے قابل قبول ہونے یا نا قابل قبول ہونے کا فیصلہ کیا جائے۔ اصطلاحی وفنی اعتبار سے اصولیین نے مختلف تعریفات بیان کئے ہیں البتہ ان سب کے مفاہیم ایک جیسے ہیں: مثلاً'' اصول الفقه هو القواعد التي يتوسل بها الى استنباط الاحكام الشرعية من الادلة''[3] یعنی اصول فقہ ان قواعد کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے ادلہ سے احکام شرعیہ کا استنباط کیا جاتا ہے۔ علم اصول فقہ کے ایک ماہر لکھتے ہے کہ: ''اصول الفقه: علم يبحث في عن قواعد تقع نتيجتها في طرق استنباط الاحكام الشرعيه عن ادلتها التفصليه''[4] یعنی علم اصول فقہ ایسے قواعد سے بحث کرتا ہے جس کا نتیجہ احکام شرعیہ کو ادلیہ تفصیلیہ سے استنباط کرنا ہے۔ ان دونوں تعریفات کا ماحصل یہ ہے کہ علم اصول فقہ ایسے قواعد کا مجموعہ ہے جو استنباط احکام کی راہ میں کام آتے ہیں اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ علم اصول فقہ خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ اس کے ذریعے کئے جانے والے استنباط اصل مقصود وہدف ہیں۔

اصول فقہ تاریخی تناظر میں:

ابتداء میں علم اصول فقہ، علم فقہ سے جدا علم نہیں تھا بلکہ دونوں فقہ شمار ہوتے تھے اور علم اصول نے علم فقہ کے دامن میں پرورش پائی جس طرح علم فقہ علم حدیث کی آغوش میں پروان چڑھا اور خود علم حدیث بھی علم شریعہ سے الگ نہ تھا علم حدیث میں اس وقت بنیادی کام جمع نصوص وروایات یا حفظ نصوص وروایات تھا تاہم اس مرحلے میں ان نصوص وروایات سے حکم شرعی کے فہم کا طریقہ کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ بہت سادہ طریقے سے ہی ان روایات سے استفادہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد جوں جوں وقت گذرتا گیا ہے کہ نصوص وروایات سے حکم شرعی کا فہم تدریجاً مشکل اور عمیق تر ہوتا گیا اور اس کیلئے کچھ اصول وضوابط کا تعین کرنا پڑا جن

سے ایک علمی اور فقہی تفکر کی ابتدا ہوئی اور علم فقہ وجود میں آیا۔جب علم فقہ میں حکم شرعی کو الگ عمیق و علمی انداز میں نصوص شرعیہ سے استنباط کا عمل وجود میں آیا تو اس وقت کچھ اصول و قواعد سامنے آئے جن کو حکم شرعی استنباط کرنے میں بروئے کار لایا جاسکے۔یہ ایسے عام و مشترک قواعد تھے جو مختلف احکام شرعیہ کے استخراج میں استعمال ہوتے تھے اور علمائے فقہ نے یہ جانا کہ یہ اصول و قواعد عام ہیں اور استنباط احکام کے عمل میں مشترک ہیں اور ان کے بغیر استخراج احکام شرعی ممکن نہیں ہے۔یہیں سے اصولی فکر کی ابتدا ہوئی اور فقہی ذہنیت کا رخ اصولی ذہنیت کی طرف ہوگیا دوسرے الفاظ میں اس کے بعد علم اصول کی باقاعدہ ابتداء ہوگئی۔اور اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اصولی فکر اس سے پہلے موجود نہیں تھی بلکہ اصولی فکر خود رسول اکرم ﷺ کے حیات طیبہ میں موجود تھا جو تطبیقات اصولی میں دیکھا اس کے بعد تابعین پھر اس کے بعد ائمہ میں امام باقر، امام جعفر صادق، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے زمانے میں بھی اصحاب ائمہ میں اس مرحلے تک پہنچ چکی تھی۔اس بات پر تاریخ گواہ ہے کہ اصحاب ائمہ کے شاگرد ایسے مشترک اور عام عناصر کے بارے میں سوال کرتے تھے، جو احکام شرعیہ کے عملی استنباط میں کام آتے ہیں اور ائمہ ان کے سوالوں کے جوابات دیتے تھے۔یہ سوالات کتب احادیث میں موجود ہیں مثال کے طور پر بعض روایات میں نصوص متعارضہ کے علاج کے بارے پوچھا گیا اور بعض میں حجت خبر واحد اور اصالۃ براءۃ وغیرہ کے بارے سوالات کیے گئے ہیں۔بعض اصحاب نے تو مسائل اصولیہ پر رسالے بھی تالیف کیے ہیں۔جیسا کہ ہشام بن حکم نے مباحث الفاظ پر رسالہ کی تالیف کیا ہے[5]۔البتہ اس دور میں ان عناصر مشترکہ کا علم، فقہی ابحاث سے کوئی الگ اور مستقل علم نہیں تھا، یوں لگتا ہے کہ اصولی ابحاث جب تک مستقل علم کے درجہ تک پہنچنے کے قابل نہیں ہوئیں، علم فقہ و علم اصول ایک دوسرے میں مدغم رہے۔بعد میں آہستہ آہستہ یہ ابحاث ایک مستقل حیثیت اختیار کر گئیں۔پھر اس کے بعد امام شافعی نے کتاب ''الرسالہ'' تحریر کیا۔[6] پھر اس کے بعد علم اصول فقہ مستقل تحریر اور تصانیف کا آغاز ہوا اور اس دور سے لیے کر پانچویں صدی ہجری تک کے علماء اور تصانیف کو متقدمین کہا جاتا ہے اور اس کے علماء اور تصانیف کو متاخرین کہا جاتا ہے۔

علم اصول کا جدید دور:

دور جدید میں جہاں دوسرے علوم و فنون میں نئے رجحانات پیدا ہوئے ہیں اور تحقیق کیلئے نئے میدان سامنے آئے ہیں وہاں اصول فقہ میں بھی نئے نئے رجحانات پیدا ہوئے ہیں اور تحقیق اور غور و فکر کیلئے بہت سے نئے موضوعات سامنے آئے ہیں۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ ایک دو صدی اصول فقہ کیلئے ایک جدید دور کے منار ثابت ہوں گے اور جو رجحانات گذشتہ ساٹھ، ستر سال میں جدید ایجادات کی وجہ سے ہوئے وہ رجحانات علم اصول فقہ کو ایک نئے دور میں پہنچادین گے جس کی حتمی نتائج سامنے آجائیں گے۔جدید مغربی اصول قانون کے اثر سے بہت سے معاصر اہل علم نے اصول فقہ کے مضامین کو نئے انداز سے مرتب کرنا شروع کیا ہے۔اس ترتیب نو کے دو بڑے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ایک رجحان جو دنیا عرب میں پایا جاتا ہے وہ اصول فقہ کے موضوعات کو فرانسیسی اصول قانون کی ترتیب سے مرتب کرنے کا ہے اس رجحان کی ابتدائی اور پیشرو نمائندوں میں معروف دوالیبی، مصطفی زرقا، صبحی محمصانی اور سلام مدکور

وغیرہ نمایاں ہیں۔ان حضرات میں بیشتر کی اصل تعلیم اسلامی علوم اور فقہ اسلامی ہے جس انہوں نے فقہ اسلامی کے جید اساتذہ سے پڑھا اور سمجھا ہے اور بعد میں ان حضرات نے فرانس کی درسگاہوں میں فرانسسی قانون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اسلامی قانون کی مختلف پہلوؤں اور تصورات پر وہاں کی جامعات میں مقالات لکھے اور یوں فقہ اسلامی کے موضوعات کو فرانسسی اسلوب میں پیش کرنا سیکھا۔ اس سلسلہ اور انداز مین لکھی گئی کتب میں استاذ مصطفی احمد زرقا کی کتاب " الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید "[7] ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔اس سلسلہ کا دوسرا بڑا رجحان برصغیر میں سامنے آیا جہاں انگریزی قانون کی فرمانروائی اور انگریزی اسلوب کی حکمرانی تھی۔ یہاں کے مسلمان اہل علم نے اصول فقہ کے مباحث کو انگریزی اصول قانون کے انداز میں مرتب کرنے کی طرح ڈالی۔اس رجحان کے اولین نمائندہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جسٹس سر عبدالرحیم تھے ان کی کتاب " Princeples of Muhammadan Jurisprudence "[8] اس اعتبار سے اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تھی کہ اس میں اصول فقہ کے مباحث کو انگریزی اصول قانون کے اسلوب میں بیان کیا گیا تھا۔اس کتاب نے انگریزی تعلیم یافتہ اور قانون دان طبقہ میں اصول فقہ کے مباحث کو متعارف کرایا۔اس طرح سے چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کو ہم اصول فقہ کے عہد جدید اور احیائے نو سے تعبیر کر سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایرانی مصنفین: شیخ طوسی، محقق حلی، شیخ مرتضی انصاری اور آخوند محمد حسین کی تصانیف بھی قابل ذکر ہیں۔ان کے تصانیف میں دو بنیادی خصوصیات نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ دور جدید کی اصول فقہ کی کتابوں میں کسی متعین اور پہلے سے طے شدہ فقہی یا اصولی مسلک کی پابندی کم کی گئی ہے۔ بہت کم کتابیں ایسی ہیں جن میں کسی خاص فقہی مسلک کی پابندی کو پیش نظر رکھا گیا ہو۔ ورنہ اکثر تحریروں کا رجحان یہی ہے کہ فقہ اور اصول فقہ کے پورے سرمایہ کو مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ قرار دے کر بحیثیت مجموعی علمائے اصول کے خیالات کو پیش کیا جائے اور فقہی مسالک اور اصولی نقطہ ہائی نظر کے مابین ایک مثبت اور صحت مندانہ تقابلی مطالعہ کے رواج کو فروغ دیا جائے۔دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ دار جدید کے بہت سے عرب محققین نے مختلف مغربی تصورات کا بھی تنقیدی مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اصول فقہ کے نظریات و تصورات کا تقابل مغربی قانون کے اصولوں سے کیا ہے۔اس تقابل میں بہت سی ایسی غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں جو بعض مغربی مصنفین کی تحاریر سے پیدا ہوئی تھیں۔مثال کے طور پر بعض مغربی مصنفین نے یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ فقہ بالعموم اور اصول فقہ کے بعض نظریات بالخصوص رومن قانون سے موخوذ ہیں اور چند جزوی مشابہتوں کو ادھر ادھر سے جمع کرکے بعض مغربی مصنفین یہ لکھنے لگے تھے کہ یہ چیزیں رومن لاء کے زیر اثر اسلامی قانون میں داخل ہوئیں۔تقابلی مطالعہ سے یہ غلط فہمی دور ہونے لگی اور اسلامی قانون کے اصل ماخذ اور اصولوں کے ارتقائی مطالعہ نے اس تاثر کو ہمیشہ کیلئے ختم کرڈالا۔

علم اصول پر یلغار:

11 صدی ہجری کے آغاز میں علم اصول پر اخباریت کا شدید حملہ ہوا۔اخباریوں کی طرف سے علم اصول کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا جن کے روح رواں میرزا محمد امین اشتر آبادی تھے ۔ علم اصول پر طرح طرح کے اشکالات کیے گئے مثلاً یہ علم کسی خاص مسلک

سے لیا گیا ہے یا پھر قواعد اصولیہ پر عمل کرنے سے نصوص شرعیہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے یا یہ قواعد نصوص شرعیہ سے دوری کا سبب ہیں وغیرہ اور اس سلسلے میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں۔[9] اسی طرح فیض محسن کاشانی نے کتاب ''وافی'' کی تالیف کی، سید ہاشم بحرانی نے تفسیر پر ''برھان'' نامی کتاب لکھی جس میں تفسیر قرآن سے متعلق روایات واحادیث کو جمع کیا گیا۔اس یلغار کے مقابلے میں اصول فقہ والوں نے استقامت دکھائی اور اکاریت کی طرف سے علم اصول پر شدید یلغار و تنقید کے باوجود اصولی کتب کی تالیف کا کام کسی حد تک جاری رہا۔ملا عبداللہ توانی نے ''الوافیہ فی الاصول'' نامی کتاب کی تالیف اسی زمانے میں کی۔ان کے بعد محقق سید حسین خوانساری نے بھی اصول پر کام کیا کیونکہ ان کی فقہی کتاب ''مشارق الشموس فی شرح الدروس'' میں ان کے افکار اصولیہ واضح طور پر پائے جاتے ہیں۔

محقق خوانساری کے ہم عصر محقق محمد بن الحسن الشیروانی ہیں جنہوں نے کتاب ''المعالم'' پر حاشیہ قلمبند فرمایا۔اسی طرح اس زمانے میں اور بھی ایسے علماء کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اصولی میدان میں کردار ادا کیا۔ محقق خوانساری کے بیٹے جمال الدین نے عضری کی شرح مختصر پر تعلیقہ تحریر کیا جس کی طرف شیخ مرتضی انصاری نے ''رسائل'' میں بھی اشارہ کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ علمائے اصول کو اخباریوں کے اشکالات و شبہات کا بھرپور جواب دینے کا موقع فراہم ہوا یہاں تک کہ اخباری نظریات ماند پڑنے لگے اور اصولی نظریات، اخباریت پر غالب آ گئے۔ محقق بہبہانی نے علم اصول میں، ''الفوائد الحائریہ'' نامی کتاب لکھی جس میں انہوں نے اخباریوں کے شبہات کے جواب بھی دیے۔ان نظریات کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور ''عصر تمہیدی'' : جس میں فکر اصولی کی جڑیں نمودار ہوئیں، جو اصحاب ائمہ، ابن ابی عقیل و ابن جنید سے لے کر شیخ طوسی تک کا زمانہ ہے۔

دوسرا دور ''عصر علمی'' : جس میں فکر اصولی نے نشو و نما پائی۔

تیسرا دور ''عصر کمال علمی'' : جو بارہویں صدی ہجری کے اواخر سے شروع ہوتا ہے۔اس زمانے میں بہت بڑے بڑے علماء و محققین سامنے آئے جنہوں نے اصول فقہ کو بے مثال عروج اور ارتقاء عطا کیا۔

علم اصول فقی کی تطبیقات سیرت نبویﷺ میں:

نبی اکرمﷺ نے اصول فقہ کے متعدد اصول و قواعد پر خود عمل کر کے دکھلایا ہے بالخصوص اجتہاد کے موارد میں کئی بار عملی اجتہاد فرمایا جن میں سے چند امور ذیل میں درج ہیں: حضرت ام سلمہ سے روایت ہیں کہ رسول اکرمﷺ نے فرمایا کہ: انی انما اقضی بینکم برای فیما لم ینزل علی فیہ۔[10] میں ایسے معاملہ میں جس کے بارے میں مجھ پر کچھ نازل نہیں ہوا اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔امام سرخسی لکھتے ہیں: ''جب نبی اکرمﷺ کو کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا جس میں وحی نہ ہوتی تو آپﷺ وحی کا انتظار فرماتے۔جب وحی کے انتظار کی مدت ختم ہو جاتی تو آپﷺ اجتہاد سے کام لے کر اس مسئلے کا حکم فرماتے پھر اگر اس معاملہ میں کوئی وحی نازل نہ ہوتی تو یہ اس حکم کو برقرار رکھنے کی قطعی دلیل ہوتی۔''[11] علامہ شعبی فرماتے ہیں کہ رسول اکرمﷺ جب کسی قضیہ کے متعلق فیصلہ

فرماتے، اس کے بعد قرآن مجید و وحی کا حکم نازل ہوتا تو آپ ﷺ اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ [12] یعنی جب اور جہاں نص قرآن کریم موجود ہو تو وہاں اجتہاد کی اجازت نہیں۔ علمائے اصولیین کا یہ رائے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دینی امور میں صرف بذریعہ وحی حکم فرماتے کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ: (وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی)[13] ۔اور (محمد ﷺ) خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے۔ یہ (قرآن) تو اللہ کا حکم ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔ یعنی حکم خدا کے علاوہ بات نہیں کرتے ہیں وہ اور جو بات ہو گا وہ الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہو گا جیسے قرآن کریم ہے اور اگر دوسری صورت معنی اور مفہوم اللہ کی طرف سے ہو گا اور الفاظ رسول اکرم ﷺ کے خود ہو نگے جیسے حدیث قدسی اور دوسرے حدیث وغیرہ ایک اور رائے یہ ہے کہ حکم خدا کے علاوہ بھی رسول اکرم ﷺ اجتہاد کر سکتے ہیں۔ البتہ حکم خدا صرف قرآن کی صورت میں نہیں بلکہ بعض اوقات الہام، القا کی صورت میں بھی ہوتے ہیں جیسے حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ھذا رسول رب العالمین جبریلل علیہ السلام نفث فی روعی انہ لاتموت نفس حتی تستکمل رزقھا۔" [14]

ترجمہ: رب العالمین کے قاصد جبریل امین علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات القا کی کہ بے شک کسی جان کو اس تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ دنیا میں اپنا رزق پورا نہیں کر لے۔ البتہ اصول کی رائے میں رسول اکرم ﷺ کو باقی انسانوں کی طرح قرار دینا مناسب نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ کی اجتہاد کو تائید الہی حاصل ہے اور اس میں خطا کا احتمال نہیں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی قواعد اصولیہ میں تطبیقات کی مندرجہ ذیل مثالیں ہیں: قربانی کا گوشت گھروں میں ذخیرہ کرنے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"انما نھیتکم من اجل الدقۃ التی دقت فکلوا وادخروا و تصدقوا۔" [15]

ترجمہ: میں نے تم کو منع کیا تھا ان محتاجوں کی وجہ سے جو اس وقت آگئے تھے اب کھاؤ، رکھ چھوڑ اور صدقہ دو۔

رسول اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب اور امت کی تربیت کی۔ آپ ﷺ نے ان میں یہ صلاحیت پیدا کی کہ وہ زندگی کے حوادث و مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل تلاش کریں اور غیر منصوص احکام کو منصوص احکام سے اجتہاد کے ذریعے اخذ کرے تاکہ انسانوں کو درپیش مسائل حل ہوتے رہے۔

دوسرا واقعہ جسے سنن ابوداود میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لیا۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی یا رحمت للعالمین ﷺ مجھ سے آج بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ میں روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" ارایت لو مضمضت من الماء و انت صائم۔" [16]

ترجمہ: اگر تم روزے کی حالت میں پانی سے کلی کرو تو تمہارا کیا خیال ہے؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ: کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو یہ بھی اسی طرح ہے۔

اس مسئلہ میں رسول اکرم ﷺ حکم بیان کر سکتا تھا لیکن سوال کی صورت میں اپنے اصحاب کو سیکھاتے نظر آتے ہیں تاکہ وہ بھی اجتہاد کر سکے۔ سنن نسائی میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک عورت نے حج کی نذر کی، پھر وہ مر گئی۔ مرحومہ کا بھائی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: "ارایت لو کان علی اختك دین اکنت قاضیه" اگر تیری بہن کے ذمہ کوئی قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا؟ وہ شخص بولا ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فاقضوا الله فهو حق باوفاء"[17] یعنی تو اللہ کا قرض ادا کرو۔ اس کا حق ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صحابہ کرام کو اجتہاد کی ترغیب اور اجازت کی بناء پر متعدد ایسے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے عہد رسالت میں اجتہاد سے کام لیا۔ مثلاً حضرت عمر بن عاص کو غزوہ ذات السلاسل کے دوران غسل کی ضرورت پیش آگئی۔ وہ ڈرے کہ اگر انہوں نے غسل کیا تو مر جائیں گئے۔ انہوں تیمم کیا اور ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔[18] بعد میں لوگوں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر تم نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دی۔ اس وقت حضرت عمر نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ:

" وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا"[19]

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ہلاک مت کرو۔ بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ مسکرادئے اور کچھ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ کی سکوت اس فعل کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔

صحیح بخاری میں امام بخاری نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبیدہ بن الجراح نے ساحل سمندر پر پڑی مردار مچھلی کا گوشت کھانے کا فتوی دیا۔ پورے لشکر نے اس مچھلی کا گوشت کھایا۔ بعد میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا بھیجا ہوا رزق ہے کھاؤ۔ اگر تمہارے پاس ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ کسی نے آپ کو لاکر دیا تو آپ ﷺ نے بھی تناول فرمایا۔[20]

ان واقعات میں رسول اللہ ﷺ نے خود اصحاب کے سامنے اجتہاد کیا ہے یا صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے سامنے اجتہاد کیا تو آپ ﷺ نے تصدیق کی یا سکوت اختیار کی، یہ سب قواعد علم اصول کی تطبیقات ہے جو آپ کی سیرت طیبہ میں متعدد مواقع پر نظر آتے ہیں اور آپ ﷺ نے اپنی اسی سیرت طیبہ کے ذریعے رہتی دنیا کو اجتہاد اور قواعد علم اصل الفقہ سے استفادہ کا حکم دیا اور آپ ﷺ اعلان کر کے اجتہاد کا حکم سمجھایا بھی ہے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ سے منقول احادیث میں صراحت کے ساتھ اجتہاد کی اجازت دی ہے جیسے کہ: نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو فرمایا: "اقض بالکتاب و السنة اذا وجدتهما فاذا لم تجد الحكم فيهما اجتهد رایك۔" یعنی اگر تم کتاب وسنت کو پاؤ تو ان کے ساتھ فیصلہ کرو اور اگر دونوں میں حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔ ایک اور جگہ جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنا نمائندہ بنا کر بھجا جا رہا تھا تب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل سے اسفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ جب قرآن وسنت سے کوئی مسئلہ حل نہ ہونے کی صورت میں اپنی رائے سے اجتہاد کریں گے اور اس پر نبی اکرم ﷺ نے

حضرت معاذ کے قول کی تصویب فرمایا[21]۔اس صحیح قرار دینا اور اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جب کوئی حکم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے نہ پائیں تو اجتہاد سے کام لیا جائے گا۔اور دوسری جگہ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ: "اذا حکم الحاکم فاجتهد ثم اصاب فله اجران و اذا حکم فاجتهد ثم اخطاء فله اجر"[22] یعنی جب حاکم اجتہاد کر کے فیصلہ دے پھر صحیح فیصلہ دے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جو اجتہاد کر کے فیصلہ دے اور غلطی کرے تو اس کیلئے ایک اجر ہے۔

ان احادیث مبارکہ اور بالخصوص آخری حدیث اجتہاد کے ثبوت پہ دلیل ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اجتہاد پر ہر صورت اجر وثواب کی نوید بھی دیتی ہے۔لہذا سیرت النبوی ﷺ میں تطبیقات قواعد اصولی پر صریح دلیل موجود ہے جو ہمارے آج کے معاشرے کے لئے انتہائی اہم اور فائدہ مند ہے جس سے جدید آنے والے مسائل کے لئے شرعی حل نکالنے میں کردار ادا کرے گا۔

خلاصہ:

تمام اسلامی مسالک میں اصول فقہ کی ضرورت واہمیت مسلم الثبوت ہے۔اصول فقہ کی بنیاد اصول اربعہ پر ہے۔اصول فقہ کے اولی اور ثانوی ماخذ ومصادر میں پر رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ رہتی دنیا تک کے انسانوں کیلئے مشعل راہ اور نمونہ عمل ہے۔آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پوری انسانیت کے لئے حجت ہونے کے علاوہ عملی تربیت بھی ہے جس کے ذریعے دنیا اور آخرت دونوں کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔بالخصوص جدید مسائل جیسے کلوننگ،انسانی عضو کے ٹرانسپلانٹ وغیرہ کے احکامات علم اصول فقہ ہی کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے لہذا سیرت طیبہ کی روشنی میں علم اصول فقہ کی جامع تحقیق علوم اسلامی کی نشر واشاعت اور انسانی تربیت وراہنمائی کیلئے ناگزیر ہے البتہ اس میں مندرجہ ذیل چیزوں کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہیں:

علوم اسلامی میں سے علم اصول فقہ پر اہل سنت علماء میں سے قدیم علماء نے بہت زیادہ کام کیا اور جدید علماء نے کم پیش رفت کی ہے جب کہ اس کے برعکس اہل تشیع علماء میں سے قدیم علماء نے علم اصول فقہ پر نسبتا کم کام کیا ہے جبکہ جدید علماء نے بہت زیادہ کام کیا ہے اس لیے جدید مسائل میں ہم علماء ئے اہل تشیع کی کاوشوں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔انسانی زندگی میں ہر وقت اور ہر موڑ پر جو جدید مسائل پیش آتے ہیں اور ان پر نص صریح موجود نہیں ہو تو اس وقت علم اصول فقہ کے قواعد کے ذریعے استنباط احکام کیا جاتا ہے اور شرعی نقطہ نظر سے مسائل حل کیا جاتا ہے نیز امت مسلمہ کی اتحاد وقت کا سب سے اہم ضرورت ہے لہذا محققین اپنے دائرہ میں وسعت دے اور تمام مکاتب فکر کی آرا کو شامل کرے تاکہ سب کے لئے قابل قبول حل سامنے آجائے اور مسئلہ واضح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو سمجھنے کا بھی موقع میسر آئے۔جدید دنیا جہاں علوم میں وسعت آگئی ہیں اور انسانی زندگی کو اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا انتہائی دشوار ہو رہا ہے وہاں علم اصول فقہ کے قواعد کی روشنی میں آسان راہ عمل بیان کیا جاسکتا ہے۔اتحادِ اُمت اسلامی مسلمانوں کیلئے اب ایک خواب بن چکی ہے اس کیلئے علم اصول فقہ اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ علم فقہ کے قواعد تمام مسالک میں عنقریب ایک جیسے ہیں۔

حوالہ جات

[1] ابن منظور، لسان العرب، دار الجیل، طبع الثانیہ، بیروت،1422ھ،ج1،ص65

[2] ایضا،ج13،ص136

[3] شیخ محمد الحضری، اصول الفقہ ، مکتبۃ القاربۃ الکبری، مصر، طبع السادسہ ،1489ھ،ص13

[4] محمد رضا مظفر ، اصول الفقہ ، مؤسسہ اسماعلیان، قم ، طبع الثانیہ،1432ھ،ج1،ص12

[5] فہرست نجاشی، نجاشی، دار الفکر ، بیروت ،4، رقم1174،تائیس الشعیہ لعلوم الا سلام ،310-313

[6] ایضا

[7] تائیس الشعیہ لعلوم الا سلام ، حسن صدر ، دار الفکر ، بیروت،ص132

[8] Sir Abdul Raheem, Princeples of Muhammadan Jurisprudence, Islamic Research Institute, Islamabad.

[9] مجلسی، محمد باقر، بحار الا نور ، موسسہ اسماعلیان ، قم، طبع الثانی،1433ھ،ج12،ص218

[10] ابوداؤد، سلیمان ابن اشعث، سنن ابو داؤد، دار الفکر اسلامی، بیروت،1413ھ،کتاب القضاء، باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء

[11] امام سرخسی، اصول السرخسی، دارالکتب الاسلامی، بیروت،1322ھ،ج2،ص91

[12] الاحکام فی اصول الاحکام، آمدی، شریعہ اکیڈمی بین الا قوامی یونیورسٹی اسلام آباد طبع اول،2002ء،ج4،ص399

[13] النجم 53 :3-4

[14] منذری، عبد العظیم، الترغیب و الترھیب، دار الفکر، طبع اول،1414ھ،ج2،ص341

[15] ابو الحسین مسلم ابن حجاج، صحیح مسلم، دارالفکر، بیروت، 1412ھ،کتاب الاضاحی، باب النھی عن اکل لحوم الاضاحی

[16] ابي داود ، سليمان بن اشعث، سنن ابي داود، كتاب الصيام، باب القبلة للصائم، ج2،ص157

[17] احمد بن شعیب نسائی، سنن نسائی، دار الاشاعت، کراچی، کتاب الحج، باب الحج عن المیت الذی نذر یحج،ج2،ص157

[18] سنن ابي داود، کتاب الصلوۃ، باب اذا خاف الجنب البرد،ج1،ص150

[19] النساء4:29

[20] البخاری، محمد بن اسماعیل ، صحیح بخاری، قمر پبلیشرز، لاہور،1979ء،کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر،ج2،ص662

[21] الاحکام فی اصول الاحکام، آمدی،ج3،ص762

[22] صحیح مسلم ، کتاب الاقضیہ، باب بیان اجر الحاکم اذا اجتھد،ج4،ص347

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.